پنڈت زندہ رام موبد کشمیری

(ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی صدر شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی)

اٹھارہویں صدی ہندوستان کی تاریخ میں ایک ایسی کشمکش کا زمانہ ہے جس میں پرانی قدروں کے چراغ جھلملانے لگے تھے اور مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس عالم انحطاط میں بھی ہزاروں تہذیب و ثقافت کے علمبردار ایسے ملتے ہیں جنہوں نے ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کو اجاگر کرنے میں بڑی ثابت قدمی سے کام لیا نیز انہوں نے نظریاتی اور مذہبی تنگنائیوں سے نکل کر صلح کل اور وسعتِ قلب و نظر کا ثبوت دیا ہے۔ انہیں میں سے ایک پنڈت زندہ رام موبد کشمیری بھی ہیں جنہیں صدیوں کے تہذیبی اختلاط کا ایک اعلیٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

موبد تخلص رکھنے والے کئی شعرا گذرے ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ موبد ہیں جو غالباً "دبستانِ مذاہب" کے مؤلف ہیں اور جن کے دیوان کے قلمی نسخے بھنڈارکر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ پونا (نمبر ۸۱) اور خدا بخش لائبریری پٹنہ (۳۷۴۶) میں موجود ہیں۔ دوسرے سید اشرف متخلص بہ موبد ہیں جو فارس سے ہندوستان آئے تھے۔ ان کا ذکر صبح گلشن میں ملتا ہے مگر ان کے کسی دیوان کا اب تک پتہ نہ چل سکا تیسرے پنڈت زندہ رام کشمیری متخلص بہ موبد ہیں۔ جن کے دیوان کے قلمی نسخے برٹش میوزیم (324 رہ) اور بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ (۱۰۸) میں موجود ہیں۔

پنڈت زندہ رام موبد کے حالات اب تک کسی تذکرہ میں نہ مل سکے۔ البتہ خود ان کے دیوان کے مطالعہ نیز اس مقدمہ سے جو ان کے صاحبزادہ ٹیکا رام ظفر نے ۱۱۸۰ ہجری (۶۷-۱۷۶۶ عیسوی) میں لکھا تھا۔ ان کے اور ان کے خاندان کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں نیز اس دیوان کے مطالعہ سے اس زمانہ کے سیاسی اور ثقافتی حالات اور دوسرے امراء وغیرہ کے متعلق پتہ چلتا ہے اس مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی نام زندہ رام پنڈت تھا اور وہ اصلاً کشمیر کے رہنے والے نیز وہ عبدالغنی بیگ قبول کے صاحبزادے مرزا گرامی کے شاگرد تھے۔ ان کے دو لڑکے شاہ عالم بادشاہ (۱۱۷۳-۱۲۲۱ ہجری/۱۷۵۹-۱۸۰۶ عیسوی) کے عہد میں لکھنؤ میں بسلسلۂ ملازمت رہتے تھے۔

ظفر کے مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کشمیر سے لکھنؤ گئے مگر خود ان کے کلام میں غالباً کہیں لکھنؤ کا نام نہیں آتا۔ اس کے برعکس دہلی اور اس کی مختلف چیزوں کا ذکر ملتا ہے۔

موبد کے چھوٹے صاحبزادے نے جن کا نام سیتا رام اور تخلص عمدہ تھا اور جو علم رمل میں پوری

مہارت رکھتے تھے، ۱۱۷۳ ہجری/ ۶۰-۱۷۵۹ عیسوی) میں انتقال کیا۔ انہوں نے انتقال سے پہلے یہ غزل کہہ کر اپنے والد کی خدمت میں پیش کی تھی۔

حکایتہا کنم مستانہ از جام و جم دیگر ۔۔۔ کشم می ساقیا گویم سخن از عالم دیگر
بوقت واپسین شاید دم تیغ تو بخوانند ۔۔۔ بود زان جان بر لب آمدہ جہاں دم دیگر
بجان آمد دلم یارب درین عالم ازین آدم ۔۔۔ جہانی کن بنا از نو بہ آور آدم دیگر
برین دل مردگان چو شمع ما را گریہ می تاید ۔۔۔ درین محفل بنا شد غیر از ینم ماتم دیگر
نگن آن زلف را بر چہرہ جانان درہم وبرہم ۔۔۔ شود در عالم جان ورنہ درہم برہم دیگر
بروز وصل او دادم غم روز جدائی را ۔۔۔ شب ہجران ز فکر وصل او دادم غم دیگر
زفیض اشک بالد در دل شب کشت اعمالم ۔۔۔ شود ای عمدہ سیراب این زمین از شبنم دیگر

مؤبد نے سیتارام کے انتقال پر یہ قطعۂ تاریخ کہا تھا:-

ناگہاں بر دواز دلم آرام ۔۔۔ نور الابصار عمدہ سیتا رام
شاعری خوش کلام و رمالی ۔۔۔ فال و فالش بہر دو عالم تام
خوشنویسی کہ بود در حرکات ۔۔۔ خط شیرین قلم زخطش عام
بخوشی رفت در بہشت برین ۔۔۔ کہ ز دل بود دوستدار امام
سوختہ بر کنار تربینی ۔۔۔ خوش نمودہ بباغ طور مقام
از تہ قلعہ الہ آباد ۔۔۔ میروند این سرود شیرین کام
چارہ مؤبد چہ میکنی بقضا ۔۔۔ این قدر کار تو نمود تمام
سال فوتش بگو بردی بہشت ۔۔۔ آہ وافسوس مرد سیتا رام

سیتارام کے انتقال کے ایک سال بعد مؤبد نے انتقال کیا جس پر ظفر نے یہ قطعہ تاریخ کہا:-

بلبل فردوس زبستان سرای ۔۔۔ کرد چہ پروانہ بحکم خدای
قبلۂ صاحب سخنان بودہ است ۔۔۔ موبد شیرین سخن نیک رای
از پی تاریخ تو ہم یک نفس ۔۔۔ ای ظفر امروز زبان برکشای
ہاتف غیبی پی تاریخ گفت ۔۔۔ مرد سلیمان سخن ہای ہای

اس کے علاوہ تعمیہ کے ساتھ ایک اور تاریخ کہی تھی:-

سحر از دل دہر می گفت ہاتف ۔۔۔ کہ موبد بملک سخن شاہ بود

باپ کے انتقال کے بعد ظفر نے اپنے کسی عزیز کی شکایت کی ہے جس نے انہیں حسد کی وجہ سے

نادانی اور جہالت میں ڈالنا چاہا تھا۔ انھوں نے اپنے کمال شاعری اور حاسدوں کی شرارتوں کا ذکر کیا ہے نیز انھوں نے حسبِ ذیل غزل کو اپنے کمال کے ثبوت میں پیش کیا ہے:۔

شد نسیم صبحدم دمسازِ گل　　می نوازد خوش بعشرت سازِ گل
تا تبسم در چمن کردی زناز　　رونقِ گل رفت و حسن و نازِ گل
شد صبا بلبل صفت شاد از نوا　　چون شنید از گوشِ دل شہبازِ گل
تا نسازد در چمن اسرار فاش　　ناز بوشد سرمۂ آوازِ گل
ہمچو بلبل می شود شیرین سخن　　ہر کہ خواند نسخۂ اعجازِ گل
در تبسم بہر یکدم زندگی ست　　خندہ می آید مرا از نازِ گل
چشمِ تر دارد ز شبنم ہر سحر　　ای ظفر واقف بشو از رازِ گل

ظفر کو شاعری کے علاوہ فارسی نثر میں بھی کمال حاصل تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ان کی نثر میں آورد اور پیچیدگی بہت زیادہ ہے جس سے ثقل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ انھوں نے دیوان قوید کا جو مقدمہ لکھا ہے اسمیں عبارت کافی مشکل اور عربی لغات و آیات سے پُر ہے۔ نیز مسجع مقفیٰ عبارتیں ہیں جنہیں آورد کی کمی نہیں۔ بہر حال اس سے ان کے علم اور نثری تبحّر کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں اس مقدمے سے چند سطریں بطورِ نمونہ کے نقل کی جاتی ہیں:۔

"سبحان اللہ علم را میراث پیغمبران استادان گفتہ اند۔ الحال مردمان این زمان حلوای بی دود پندا شتہ میخواہند کہ عالم و فاضل و سخندان کامل شوند۔ الحال از اوضاع یاران نفاق سرشت، خاطر دریا مقاطر بدرجۂ رنجید کہ نورہ .... از گلشن صحبت آن خزان منشان بر چید .... الحال از ہمہ جنس سرد کان افہام آراستہ ام و شاہد معقول را از ہمہ زیور نکتہ سنجی پیراستہ و اکنون راکب توسن دانائی گشتہ سایر فضای معنی شدم و ریاضت سہل نادانی موقوف کرد اشتم و غبار تعلقات دنیا را از خیابان ضمیر مصفا بمکتب محبت وفا رفتہ ام .... عروسان افکار ابکار را بہ اورنگ ضمیر ضیا تخمیر نشاندہ از نالہ نوای عاشقانہ ام حوری نژادان بہشت سخن مدہوش بطنبورہ زدن .... و در سر انجمن محبوبی کہ شمع آتشین رخساری روشن می شد نابم در گلستان توصیفش گلچین میکردد و بہ سر سیمای دلبری کہ ماہ رونق اظہر می گشت زبانم در تعریف سر و مہر نقش فقرات تازہ روشن نمودہ بکار می برد .... باین تقریب گردہی از حسد کیشان .... رسم بغض و شناعہ بکار می بردند و جمعی از تو بُدّ اندیشان جادۂ محبت دیدہ از قدم مسرت و انبساط می سپردند۔ اشعار آبدارم

کمں الجواہر دیدۂ گریان وکشت نداز قلوب حاسدان را بمنزلۂ برق سوزان است۔"

ٹیکارام نے اس مقدمہ میں بتلایا ہے کہ ان کا تخلص پہلے دیرتی تھا لیکن ۱۱۸۰ ہجری (۶۷-۱۷۶۶ عیسوی) میں ایک شب عالم خواب میں جب وہ کچھ روحانی بزرگوں سے ملے تو انہوں نے ان کا تخلص بدل کر ظفر کر دیا اور حساب کیا تو معلوم ہوا کہ خود لفظِ ظفر سے ۱۱۸۰ نکلتے ہیں۔

اس مقدمہ میں ظفر نے لکھا ہے کہ لوگوں نے مؤید پہ یہ الزام لگایا تھا کہ ان کی غزلوں میں استادوں کے مضامین آتے ہیں۔ اتفاق سے جب ایک حاسد کے ہاتھ سے انہوں نے مؤید کا دیوان لیکر فال نکالا تو یہ شعر نکلا ؎

موشگافان کی ز شعر کہنہ مضمون می برند ٭ شعرہای تازہ گفتن مؤید مردانگی است

اپنے والد کی تعریف میں مؤید نے بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ ان کی مثنوی کو "ساقی نامۂ ظہوری" رباعیوں کو "رباعیاتِ عمر خیام" اور قصیدوں کو قصائدِ خاقانی کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"مثنویش را اگر ہمہ کلام ساقی نامۂ ظہوری پندارم شاید، رباعیاتش آب و تاب رباعی عناصر بر ندہ پایۂ خیام را پس گذاشتہ اند و پیر خرد قصائدش را نقطۂ مقابل خاقانی گماشتہ"

اس مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤید کے سب سے بڑے لڑکے راجہ تھے اور ان کا پورا نام دیا رام رانا بہادر اور تخلص نوشا تھا۔ ان کی تعریف میں لکھا ہے کہ اگر صائب اور طالب زندہ ہوتے تو ان کے اشعار کی تعریف کرتے۔ نیز ان کی یہ غزل بطورِ نمونہ کے پیش کی ہے:-

ہر نفس چہ رنجانی جانِ مبتلائی را ٭ ای صنم بناز آری بندۂ خدائی را
ای ز عہد بیگانہ دل ز حرفِ تو دادم ٭ چون ز دل توان انداخت حرفِ آشنائی را
تا بکس نمی گوئیم ماجرا بجز گریہ ٭ ہر کسی جدا گوید از تو ماجرائی را
چشمِ تو ببند از دل فتنہ در دلِ عارف ٭ زلفِ تو زند برہم دین پارسائی را
آن صنم قدم بیرون گر ز ناز بگذارد ٭ سجدہ سر کنم از دل دیدہ نقش پائی را
چشمِ من نمی افتد جز بروی نیکویش ٭ بسکہ عاشقم نوشا شوخ میرزائی را

ظفر نے اپنے والد کے دیوان کا نام "گلشنِ اسرار" رکھا تھا اور اس کے بہت سے نسخے تیار کروا کر تمام اطراف میں بھیجا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دیوان کے اتنے خوبصورت نسخے موجود ہیں۔ نیز یہ نسخے الہ آباد میں تیار ہوتے تھے۔

دیوان مؤید کے مطالعہ سے ان کے اور ان کے خاندان کے متعلق بہت سے جزئیات معلوم ہوتے ہیں۔ مؤید کو کشمیر سے غیر معمولی محبت تھی اور انہوں نے اس کی تعریف میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔

می توان دید بیک روز بہارِ کشمیر ٭ بلبلِ باغِ ارم بال و پری نیست ترا

نکہت خوش میدہد از نسترن مشک ختن سیر تالاب دل کشمیر و کابل کنان است

خیال گلشن کشمیر می کنم در ہند کہ حب و مہر و محبت از آن وطن باقی است

نظر از چشم دل خود بچمن باید کرد غنچہ ساں از لب خاموش سخن باید

مژدہ آورد صبا صبح بہند از کشمیر نوبہار آمد و گلگشت چمن باید کرد

موبدا خوش دلم از آب و ہوای کشمیر سیر تالاب دل و مچھی بھون باید کرد

یادم سیہ بہار است از کوہسار کشمیر در دل بہند داغ است از لالہ زار کشمیر

آہم ہمیشہ سبز است چون سرو باغ جنت اشکم ز دیدہ جاری ست چون جویبار کشمیر

دارم ز روی مژگان پیوستہ آب چادر ہر قطرہ ریزم [از] اشک چسان آبشار کشمیر

دایم خیال جنت از بسکہ فیض بخش ست بخشد فرح دل من چون شالہ مار کشمیر

باغ نشاط آنجا خواہیم دید یارب ما را اگر رسائی اندر دیار کشمیر

دیدیم خط مشکین بر لعل رنگ سبزان در ہند یاد آمد ما را بہار کشمیر

در باغ ہند ہرگز چون گل نشد دلم را این غنچہ ہست دلتنگ از خار خار کشمیر

ہر پیر پی خجستہ خضر است زانکہ آنجا آبحیات جاری ست از چشمہ سار کشمیر

مانی کشیدہ در ہند تشبیہ یار گلروی گفتند موشگافان این است کار کشمیر

جام شراب گلگون ساقی بدہ بموبد کامد سیہ بہاری از کوہسار کشمیر

کشمیر بہشتیست پُر از سنبل و ریحان آرد صبا بہر من از خاک وطن مشک

در دل ہوای گلشن کشمیر کردہ ایم کسب ہوای باغ جہانگیر کردہ ایم

موبدا کوثر و فردوس چہ امی طلبم باغ کشمیر و دل و آب روان ما را بس

اس کے مقابلہ میں وہ ہندوستان کی گرمی کے شاکی نظر آتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ یہاں بادشاہ وغیرہ ہی خس میں بیٹھ سکتے ہیں:۔

رونق بشاہ ہست ز دست گد بہند شہ در ہوای گرم نشیند بہ تخت خس

وہ ہندوستانی حسن اور اس کی رعنائیوں کے معترف اور اس کے دعا گو نظر آتے ہیں۔ نیز وہ یہاں کے لوگوں سے شیر و شکر کی طرح ملے:۔

رنگ در ہند فلک خوب ز سر نیلی ریخت کز او رنگ ملاحت ہمہ در نیلی ریخت

ہر بت ہند ملیح است از آن زو کہ فلک رنگ این تیرہ زمین را بجگر نیلی ریخت

روشن است این سرزمین تیرہ ہمچوں مہر دنگ سرمہ سائی میتوان دیدن ز خوش چشمان ہند

سرد مہری کی بود از رزق کا ینجا آفتاب می پزد اندر تنور گرم گردون نان ہند

Scanned with OKEN Scanner

غم مخور موبد پی روزی درین نعمت سرا   میرساند تُرا هم نعمت الوان هند
بسکه زیبد کشور هندوستان از حسن سبز   دم زند زانرو بعالم آسمان از حسن سبز
اندرین اقلیم وصف حسن سبزش گر کنم   سبز می گردد برنگ پان زبان از حسن سبز
درین گلشن شود سرسبز آدم   هر حسن سبز در هندوستان است

کبھی کبھی وہ دونوں کا بھی ذکر کرتے ہیں :-

در هند زگرمی تو بمیری چه اسیری   در گلشن کشمیر برو خوش که نمیری

موبد کے صاحبزادے ملازمت کی وجہ سے ان سے دور ہو گئے تھے اور یہ فراق ان کو بہت شاق گذرا تھا :-

پیر گشتم موبدا پیدا شده ضعف جگر   از فراق نور چشمان گریه می آید مرا

بہر حال ان کی وجہ سے انہیں کشمیر چھوڑ کر دہلی اور لکھنؤ آنا پڑا تھا۔
موبد کشمیر سے دور ہو کر آزردہ خاطر نیز وہاں جانے کے لئے بیتاب رہتے اور اسے برابر یاد کرتے تھے :-

تا بکی باشی دل من دور از کشمیر خویش   خانهٔ خود را بکن آباد از تعمیر خویش
موبدا در هند گشتی داخل خلد برین   یاد شاید گلشن کشمیر تا کابل کردهٔ
وطنم هست گلشن کشمیر   چه شود گر بمن وطن بخشی
یارب برسان موبد ما را تو بکشمیر   تا یاد جوانیش دهد عالم پیری

اور جب کبھی اچھی ہوا چلتی تھی تو ان کو کشمیر اور کوہ پیر پنچال یاد آ جاتا تھا :-

نسیم گلشن کشمیر آمد   بهند از راه کوه پیر پنچال
چون بهند آمد صبا از گلشن کشمیر ما   سوی جنت مرغ دل را شو تو رهبر صبحدم

موبد نے بڑے عزت و احترام اور خوش حالی کی زندگی بسر کی :-

روز نوروز مه و سال مبارک باشد   قرعه رمل نکو فال مبارک باشد
بیت ثانی شده فرخنده ز قبض الداخل   در خزاین بتو اموال مبارک باشد
موبدا بتو از فضل خداوند جهان   حرمت و عزت و اجلال مبارک باشد

نیز انہیں ہزاری منصب ملا تھا :-

موبدا منصب هزاری یافت   این نوای خوش از هزاره آمد

ان کے چھوٹے بھائی کا نام وشناتھ تھا جن کے انتقال پر بیماری کے عالم میں انہوں نے ایک غزل کہی تھی :-

Scanned with OKEN Scanner

موبد دہلی میں رہے ہیں۔ نیز انہوں نے وہاں کی نہر، مٹھائی پل اور مومن خان کے کنویں کا ذکر کیا ہے :-

بلبل کشمیر و قید دہلیم   نالہ ہر دم دارم از حُبّ وطن
شہر دہلی گلشن کشمیر شد از فیض نہر   عیش کن در سمت پہاک و گوشہ گیر لالہ زار
بُستان ہندوستان خوش گل اند   در اینجا خوش الحان عجب بلبل اند
چرا دیگ شکر نیاید بجوش   کہ شیرین لبانان مٹھائی پل اند
بسکہ در دہلی است جاری فیض نہر   حب کشمیر و غم ہر تاک نیست
ہند شد کشمیر موبد ز آب سرد   چاہ مومن خان کم از دریاک نیست

موبد مذہبی اور رسمی حد بندیوں سے بلند تھے :-

باکفر و دین چہ دست و گریبان شوی زکین   موبد لب سبحہ رشتۂ زنّار نازک است

اگر ایک طرف وہ ہندو مذہبی تہواروں اور رسوم کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ حضرت علیؑ سے بھی اظہارِ عقیدت کرتے ہیں۔ انہیں صوفیوں سے بھی علاقہ تھا نیز انہوں نے سرمد جیسے شہید کو احترام سے یاد کیا ہے :-

عاشقان را از دل و جان جان نثاری مقصد است   ہر کہ سر بنہد بہ تیغ عشق مولا سرمد است

ان کی وسعتِ نظر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے :-

شرع شریف و شاستر، ہست یکی کلام دو   رام و رحیم نام او، اوست یکی و نام دو
ہر ہندو و مسلمین داند یکی رام و رحیم   اسم ذاتش را ببین موبد تو در ہر نام آن
کنید شمع و چراغ روشن بدیر و کعبہ ہندو و مسلم   مدام روشن ز نورِ عرفان چراغِ میخانہ میکند جان

موبد نے اپنے زمانہ کے لوگوں کی شکایت کی ہے اور قدروں کے انحطاط کا رونا روتے ہیں :-

عقل را موتراش می گویند   جہل را خواجہ تاش می گویند
اہل اوباش را بدور قمر   جاہلاں یار باش می گویند
این زمان خوش نویس کامل را   مردمان بت تراش می گویند
شاعری را کہ موشگافی کرد   نقلی و سر تراش می گویند
حسد و کبر و کینہ را مردم   عقل و علم و معاش می گویند

نیز ان کو احساس ہونے لگا تھا کہ اب سماج میں عورتوں کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے :-

اندرین عہد حکم زن جاری است   این چنین دور چرخ زنجاری است

موبدؔ نے ایک طویل عمر پائی اور بڑھاپے میں وہ عینک کا استعمال کرنے لگے تھے :-

قوتِ باصرہ گردید کم از ضعف جبان   بادل آئینہ محتاج بعینک شدہ ام

دیوانِ موبد کا ایک خوبصورت قلمی نسخہ بھنڈارکر اورینٹل انسٹیٹوٹ، پونا میں موجود ہے۔ (نمبر ۱۰۰) جو خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور جس میں ہر صنف شعر کے شروع میں دو صفحے مطلا بھی ہیں۔ اس دیوان میں سب سے پہلے قصیدے ہیں جو حمد باری اور حضرت علیؓ، شاہ عالم، محمد جلال الدین بادشاہ، نواب مدار الدولہ، سید نیاز خان وغیرہ کی مدح میں کہے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک قصیدہ اس وقت کہا گیا تھا جب سیتا رام نے مرض سے شفا پایا تھا۔ ان قصیدوں سے یہ اشعار بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں :-

ای نہ فلک از دست طلسمات تو برباد   پر نور ز مہرت مہ و خورشید و ثریا
موبد چہ برد پی بمعانی کہ برہمن   آگاہ نگردید ز اسرار تو اصلاً

شاہ مردان مرتضیٰ حیدر علیؑ شیر خدا   آن کہ حق کردہ است قائم بہر او ارض و سما
از کمال دانش و عقل تو گویا زندہ اند   قدسی و دانا و طغرا و کلیم و صہبا
دستگیری کن بموبد دست داری در کرم   بخشش و الطاف و احسان از تو و از من دعا

بادشاہ پاک گوہر در جہان روشن تراست   زان بسحر سلطنت نام تو عالی گوہر است

ہست زلفت سنبل و روی تو جانان آفتاب   کرد جا خوش درمیان سنبلستان آفتاب
روشنم شد از نگین دل کہ در کشمیر من   افسر شاہی است بر تخت سلیمان آفتاب
شیر می سازد بشکر موبدا ماہ بہار   در بہاران خوش بود ای بادہ خواران آفتاب

شد روشن از نگین تو خورشید در جہان   کندہ بدل چو نام تو سید نیاز خان

ای شرف یابد ز نامت ہر دل روشن از آن   بر نگین خوشتن کندہ است خورشید جہان

نور چشم من درآ در خانۂ چشمم شتاب   زانکہ از ہجر تو گردیدست چشمانم پر آب

ان کے علاوہ ایک منظوم عرضی ہے جو نواب بدر الدولہ بہادر کو بھیجی گئی تھی اور وہ اس مطلع سے شروع ہوتی ہے :-

ای رای تو روشن است خورشید نظیر   ای نام تو نیکوست ہمی بدر منیر

اس کے جواب میں نواب مذکور نے بھی ۸ شعر کا ایک منظومہ بھیجا تھا جس میں ان کی عرضی کی رسید تھی۔ نیز نظم کی تعریف کی گئی تھی، جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے :-

در نظر این عرضی موزون گذشت   خوبی نظم از درِ مکنون گذشت

اس دیوان میں کل نو قصیدے ہیں جن کے اشعار کی تعداد تقریباً ۳۷۰ ہے۔

قصیدوں کے بعد غزلوں کی باری آتی ہے جن کے کُل اشعار کی تعداد تقریباً ۴۰۰ ہے نیز یہ حصّہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے:۔

کرد تا تعلیم بسم اللہ پیر دل مرا　　شد ز یک تعلیم آسان نقطۂ مشکل مرا

مؤید نے انوری، خسرو، حافظ، جامی، قاسم انوار، صائب، طغرا، وحید وغیرہ کی توصیف کی ہے نیز ان کی پیروی کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے کلام کو سامنے رکھ کر غزلیں کہیں اور تضمینیں لگائی ہیں:۔

بیا مؤید مدد خواہیم کنون از حضرت حافظ　　کہ عشق آسان نمود اوّل ولی افتاد مشکلہا
مؤید تو بس کن گفتگو از حضرت جامی بگو　　کز خار خار عشق او در سینہ دارم خارہا
مؤید پریشان چون شوی این مصرع صائب بگو　　زلفش بدستم میدہد سر رشتۂ آمالہا
ہمچو طغرا مؤیدا مست غزلخوانی بشو　　موسم آن شد کہ مینا راگ ہندی سر کند

خیال مصرع برجستہ از ہلال آموز　　کہ نازکی خیالات انوری داند
قاسم دیوانہ ہر دم ہای وہوی می کند　　با نزاکت قاسم انوار می گوید سخن
در طلبش فتادہ ام ہمچو وحید مؤیدا　　خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

حضرت امیر خسرو کی طرف منسوب اس مشہور غزل کے مقابلہ میں یہ غزل کہی گئی ہے:۔

بہار گلشن دل بود شب جائی کہ من بودم　　کہ ہر گل شمع محفل بود شب جائی کہ من بودم

حسبِ ذیل غزل میں کشمیر سے متعلق اساتذہ کا احترام سے نام لیا گیا ہے:۔

ہر کہ کرد از صدق دل شاگردی گویا قبول　　گشت در بحر سخن از لطفِ حق گویا قبول
میرزا صائب کہ بودہ خسروی ملکِ سخن　　کرد در معنی تجلّی شد از و جویا قبول
طالبا بودہ کلیم طور معنی در سخن　　شد باہل معنی از ایجاد معنیہا قبول
بر دل ارباب معنی از قبول این روشن است　　بود از نازک خیالات جہاں دانا قبول
در تلاش معنی بیگانہ کامل شد غنی　　در فن انشاء رنگین خوب شد طغرا قبول
دل چو خاقانی کنون مؤید زند دم در سخن　　زانکہ شد در خدمت استاد شعر ما قبول

عام شعراء کی طرح مؤید کو بھی اپنے کلام پر فخر تھا اور وہ اپنے کو خاقانی، مولوی، خسرو، سعدی اور طغرای وقت کہنے سے نہیں گھبراتے تھے۔ نیز انہیں شکایت تھی کہ لوگ ان کی قدر نہیں کرتے:۔

بسکہ در ملک سخن دارند سلطانی مرا　　زیبد از اہلِ سخن گویند خاقانی مرا
نیست غیر از تو کسی طغرای عصر　　ہست جاری زان چو فرمان نامہ است

موید ما نیست کم از مولوی   ہر گلی را رنگ و بوی دیگر است

خسرو وقت خودم از سخنان موید   بسکہ چون جان تنم بالب شیرین آید

باشعار مرا سعدی گواہ است   گلستان دارم از دیوان تازہ

مگر ظاہر ہے کہ ان کے کلام کو اتنا بلند پایہ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر بھی اس دیوان میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جو کافی رواں اور سلیس دکھائی دیتے ہیں :-

ہلال ابرو پری رو مہ جبینی کردہ ام پیدا   سراپا ناز و تمکین نازنینی کردہ ام پیدا

ماہ من جلوہ کنان چون بگلستان آید   بگل و یاسمن و سرو سہی جان آید

مژدہ ای دل کہ شب ہجر بپایان آید   صبحدم جلوہ کنان آن مہ تابان آید

خراماں آمدی بہر تماشا تا دریں گلشن   نگاہی میکنم بر گل ولی سوی تو می آید

لالہ بگرفت بکف جام و بجوش آمد خم   نو بہار است برندان خبری باید کرد

دیدۂ مست ناز را نازم   غمزۂ ترکتاز را نازم

شب یلدا چہ پیچ و تاب گذشت   خم زلف دراز را نازم

از یک نگہ مستش مدہوش دل ما شد   دیدیم بچشمانش میخانہ بمیخانہ

خرقۂ سالوس ما را در شراب انداختی   جامۂ تر ساقیا در آفتاب انداختی

در فصل گل چہ تا تب صہبا شود کسی   بی وجہ بی دماغ ز مینا شود کسی

اس دیوان میں بہت سی غزلوں کی تقریب بھی دی ہوئی ہے یا معلوم ہو جاتی ہے مثلاً یہ غزلیں موید نے اپنی بیماری کے وقت کہی تھیں :-

فصل بہار خط تو دلبر رسیدہ است   بو در دل و دماغ ز عنبر رسیدہ است

درمیان جان و جاناں دم بدم نا محرم است   بلکہ پیدائم وجود و ہم عدم نا محرم است

اس غزل کو انہوں نے نزع کے وقت گرامی کے بھتیجے مرزا مظہر کے سامنے کہی تھی :-

روبرو ہر گاہ با آں دلبر جانی شدیم   چون دل آئینہ آیسہ از روی حیرانی شدیم

مندرجہ ذیل غزلیں موید نے اپنی بیماری میں ٹیکارام ظفر کو مخاطب کر کے نصیحت کے طور پر کہی تھی :-

ہیچ کس کامل بجز پیری نشد   بی کمان فرمان روا تیری نشد

تخم نیکی در زمین پاک باید کاشتن   حاصل اعمال دیگر می توان برداشتن

Scanned with OKEN Scanner

یہ غزل انہوں نے اپنے کسی لڑکے کی سفر سے واپسی پر کہی تھی:-

ای پسر فضل خدا خوش ز سفر می آئی — در تنم همچو روان جان پدر می آئی

یہ غزل انہوں نے سفر میں کہی تھی جب غالباً ظفر ان کے ساتھ تھے:-

دست داده است مرا خوش سفری با ظفری — که ره دور رسد پیش پدر چون پسری

اس دیوان میں مؤید کے سولہ (۱۶) مخمس ہیں، جن میں کُل ۲۱۴ بند ہیں۔ ان میں حضرت علی کی منقبت شاہ عالم کی مدح، بہار کا ذکر ہے اور انسان کو مخاطب کر کے اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک مخمس میں غلہ فروش، گیا فروش، درزی وغیرہ کی تصویر کشی کی گئی ہے:-

پسر غلّه فروش است عجب گندم گون — نکند نیم جوی وزن بجز مکر و فنون
بسکه شد پلّه کش غمزه ز سحر و افسون — بتر از وی سخن نازکند گوناگون
طول میزان فلک رنگ دگر می بینم

آتشین روی کبابی که بزلف شامی — صبحدم خوب کند پخته کباب شامی
شورش این دل دیوانه بود بد نامی — شور هر دم کند از بسکه کباب شامی
قوّت عاشق ز دل و جان و جگر می بینم

جامه دوزد گهی درزی بعروس رعنا — می کند گاه کفن راست بشاه زیبا
همچو سوزن خبرش [نیست] ولی از سر و پا — آخر این رشته کجا سر کشد از پا بکجا
روز و شب شادی و غم رنگ دگر می بینم

بعض مخمسوں میں حافظ کے اشعار پر تضمینیں لگائی گئی ہیں، مثلاً کہتے ہیں:-

درد هر هست عاشق بجان همیشه پاک — دارد ز دست عشق همیشه بسینه چاک
گر دو رقیب از کف مؤید کنون هلاک — دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چه باک
منت خدای را که نیم شرمسار دوست

ایک مخمس میں احمد شاہ ابدالی کے حملہ، مرہٹوں کے اُبھرنے، بادشاہ وقت کی بے بسی، ملک کی ابتری غلہ کی گرانی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے:-

به هند جوهر تیغ ستم نخواهد ماند — بدست مردم نادان قلم نخواهد ماند
چنان نماند و چنین نیز هم نخواهد ماند — رسید مژده که ایام غم نخواهد ماند
چنان نماند و چنین نیز هم نخواهد ماند

پناه اهل جهان بوده است هندستان — همیشه آمد و شد داشتند بازرگان

درین دیار شدی ہر گدای خان جہان — نمودہ اند چنین ملک ظالمان ویران
چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند

نمودہ اند ز محصول سرخ غلہ گران — چگونہ غلہ ازین ظلم می شود ارزان
ز روی حکم ضعیف است اینقدر سلطان — کہ صبح و شام نہ بیند ز خوشدلی لب نان
چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند

ز فاقہ ہمہ مردند بینوا و گدا — شدہ است پُر ز تعفن تمام آب و ہوا
غذا بنود میسر مگیر نام دوا — حکیم شافی حق و بدست اوست دوا
چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند

کنون ز مردم گیتی نماندہ بوی وفا — کہ رفت مہر و محبت کم است صدق و صفا
شدند اینہمہ عریان بہند شاہ و گدا — بتن نماند کسی را لباس و برگ نوا
چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند

کنون کہ آمدہ موسم بہار دیوالی — ندیدہ ایم درین باغ یک گل شالی
مگر مراد ازین باغ بود ابدالی — کند چگونہ بکس کس معاملہ مالی
چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند

ایک مخمس ہیں ہر پانچواں مصرع اردو میں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس طرف متوجہ تھے کہ ہندوستانی زبان فارسی کی جگہ لیتی جا رہی ہے۔

چو گل گمرد این باغ بارنگ و بوئی — دگر از رہ فیض جاری چہ جوئی
اگر نیک سیرت و گر خوبروئی — بفضل و کرم کن بہ مردم نکوئی
رہے گا نہ کوئی رہے گی نہ کوئی

چو دریا رسان فیض بر اہل عالم — نگردد ز بحر خدا قطرۂ کم
موج خطرہا مخور یک نفس غم — بجود و کرم باش جاری تو ہر دم
رہے گا نہ کوئی رہے گی نہ کوئی

چو خورشید داری مگر چشم بینا — فگن سایۂ نور اقبال ہر جا
چنان پرورش کن بہ اعلی و ادنی — کہ گردد ز نور تو ہر ذرہ بیضا
رہے گا نہ کوئی رہے گی نہ کوئی

شو تازہ کن گلستان را چو شبنم — ثمر تا دہد نخل عمر تو ہر دم

Scanned with OKEN Scanner

کہہ سکتے ہیں اس بیت سے شروع ہوتی ہے:۔

ناگہاں ہیبلا شدہ طوفان نوح — تنگ آمد خلق را در جسم روح

اس میں شاہ دُرانی کے قتل و غارت، دہلی کی تاراجی، ہندوستان کی بربادی، سماج کے انحطاط وغیرہ کا رونا رویا گیا ہے۔ یہاں اس مثنوی سے چند بیتیں نقل کی جا رہی ہیں:۔

شاہ دُرانی ست چوں دُرِ یتیم — نہ آبروی گوہر پاک قدیم
آب تیغش آتش برق جہان — سوخت آبش در دمی ہندوستان
زد بدہلی آتش و تاراج کرد — ماند در دلہا چو آتش آہِ سرد
از ہنود و مسلمین ایمان بہ نار — بسکہ از جور و ستم غارت کناند
شد قیامت این چنین برپا بہ ہند — شورش و افغان رسیدہ تا بسند
والی ہندوستان چند یوم — جملہ بیکارہ اند از اہلِ علوم
ہست این روشن بہ ارباب کمال — گشت دہلی دشتِ گرگان و شغال
اینقدر نا امن شد ہندوستان — نیست گویا در تن ہر زندہ جان
مردم ہند اند از بس در زوال — مال غارت می خرند اکثر بقال
اکثری مدہوش ناز و راگ و رنگ — اکثری مستند از افیون و بنگ
رود راوی در دل پنجاب ہست — چون از این جور و ستم در خواب ہست
میبرو تند اکنون برون از شہر ہند — ظالماں را غرق کن در بحر سند

دوسری مثنوی (۹۹ ابیات) "سراپای محبوب مرغوب القلوب" ہے جس میں غالباً کسی رقاصہ کی تصویر کشی کی گئی ہے اور جو اس طرح شروع ہوتی ہے:۔

ای صنم از تو خوش آموخت پری — شیوۂ ناز و فن جلوہ گری
چون زنی دست نگارین با اصول — راگ و رنگ است ...... وصول
خوانی از ناز جو راگ دیپک — آتش از نالہ بر آری بیتک
گر کنی سر بنوا راگ ملار — بارش از وجد کند ابر بہار

اس کے بعد چونتیس ۳۴ رباعیاں ہیں جو خاص کر فراق کشمیر اور وصف کشمیر میں کہی گئی ہیں۔ یہاں صرف ایک رباعی نقل کی جاتی ہے:۔

بس ساخت سفر بہند دلگیر مرا — کردہ است غم ہجر وطن پیر مرا
پژمردہ دل از خزان پیری گشتم — یارب بنما بہار کشمیر مرا

Scanned with OKEN Scanner

اس کے بعد کچھ رباعیاں، قطعے وغیرہ (۱۱۶ عدد) ہیں، جن میں کشمیر، ہندوستان، احمد شاہ کے حملہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں صرف ایک رباعی نقل کی جاتی ہے:-

در کشور ہند روز و شب طوطی باز   تعلیم کند کسی بلام راہش آغاز
در پردۂ دل گفتگوئی دارد   بشنو تو رحیم و رام ہر دم آواز

اس کے بعد چار چیستانیں اور ایک مستزاد ہے۔ ایک چیستان بطور نمونہ کے پیش کی جاتی ہے:-

چیست آن کہ رود زخانہ بدر   میرود بلبش و لبس ہمیشہ زسر
دین و چشم و گوش اوست ہیچ   گوش دارد و لیک باشد کر

مستزاد یہ ہے:-

ای دست عنایتی کہ با من کردی   دین طرفہ رعایتی کہ با من کردی
در عالم آب   بیرون ز حساب
امروز حکایتی کہ با من کردی   بی وجہ شکایتی کہ با من کردی
افسانہ و خواب   گفتی چہ جواب

سب سے آخر میں تیس غزلیں (۲۷۷ شعر) ہیں جو مؤبد کے پہلے دیوان میں جو شاہجہان آباد میں مشہور ہوا تھا موجود ہیں۔ ان میں سے ایک غزل کے کچھ اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

ہمچنان از سر کمین آتش سوزان شدہ   کہ دامن زدہ بر آتش و پنہان شدہ
ہمہ گلہا شدہ پامال ز نقش پایت   از سر تا گلشن چو خرامان شدہ

حسب ذیل شعر میں ۱۱۵۰ ہجری (۳۸-۱۷۳۷ عیسوی) کا ذکر ہے جس کی اہمیت کا پتہ نہیں چلتا۔ شاید اس زمانہ میں مؤبد دہلی میں رہے ہوں:-

یکہزار و یکصد و پنجاہ گر گوید کسی   سال ہجری لایق صد آفرین باشد کسی

مؤبد کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے مقدس تہواروں سلونوں، راکھی، دسہرہ، دیوالی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ تمام اصنافِ سخن میں بے شمار ہندی الفاظ کو استعمال کیا ہے جس سے فارسی ادب کے سرمایہ میں اضافہ ہو سکتا ہے:-

ہولی و موسم بہار آمد   ہر طرف جوش لالہ زار آمد

سلوتوست در ہندار خوش نو بہار — مبارک زفضل خداوندگار
بلسنتد راکھی بکف لالہ ہا — ببین موبدا ہر طرف لالہ زار

مبارک دسہرہ امروز آمد — کہ گوئی موبدا نوروز آمد
ز سبزک سبز چون کشمیر شد ہند — بہار بخت با فیروز آمد

دولت آمد بشب دیوالی — موبدا داد بمن مژدہ نسیم
از چراغان شدہ گلزار ارم — خانہ راجہ کشن چند شمیم

تا ماہ من امروز بتن زیب دہد تن — گل خاصہ کشیدہ بتن خویش چکنہا
مسی مالیدہ و دندانہا در لعل میگونش — بسرخی خوشنما باشد سفیدی و کبودیہا

مشہور نام ماست بہند از کلام ما — اکنون بطوطیان برسد رام رام ما
ہر چند ہر دو ایم نمسکار و رام رام — موبد نگشتہ است دل آرام رام ما

ز وصف خط سبز آن لب لعل — زبانم سربسر چون برگ پان است
از سرود راگ ہندی گشت موبد نغمہ ساز — طوطی و بلبل چہ گیرد نسخۂ آمل بکف
از سخن ہا می کنم موبد بوصفش در نثار — بسکہ شد نازم خداسی کرشن برمن مہربان

چہ نشستی بہ پالکی مغرور — سر بپالین نہادہ از حق دور
نزد اہل دل است جای ضرور — نیست جای عنی و کبر و غرور

این کمالات نیست از انسان

گر بپوشی لباس سنیاسی — ور تو باشی ہمیشہ بن باسی
گر تو پابند وہم و وسواسی — روز و شب کندہ ہمچو سنیاسی

این کمالات نیست از انسان

نارسکا سویم چو از اقبال دید — موبد من اختر نیکو دمید
کانتری اوصاف نام رام رام — از زبان سارسکا مانا شنید
گفت پر ہما سال میلادش ہمین — گوہر شہوار بحر راز ہید

بشہر ہند سر را سر بگو بند — درین سر سر بسر سر شد اللہ است
ببین بر روی مصحف اسم اللہ — درین سر موبد ما حق گواہ است

نظر بہ سے نپٹنے کے لیے یہ بھی لکھ دیا جائے کہ کہیں کہیں فارسی گرامر کے لحاظ سے
نقرشعر بھی ہیں مثلاً "ہر ہمہ" کا استعمال بکثرت کرتے ہیں :-

"از پرستان ہر ہمہ شاہ و گدا و لشکر است"
ہر ہمہ ہستند روز جنگ زن

ٹیکارام ظفر نے شہر میں ایک رنگین عبارت سے دیوان کا اختتام کیا ہے۔ لکھتے ہیں :-

"چون طریق استادان سلف چنان است کہ بہ ہر نسخہ کہ نثر بنویسند اداخرش ہم بہ نثر بانجام برسانند۔ بندہ ہم حمد و نعت مقدم ساختہ چند سطور موافق معمول مسطور ساخت......... اندر وزی کہ مہندس قضا سررشتۂ عمر انفاس بگردن این رہی انداختہ بجز شواغل حساب ورق گردانی سیاہۂ نارسائی شیوہ ندارد"

دیوان موبد کا برٹش میوزیم والا نسخہ جو بالکل بھنڈارکر انسٹیٹوٹ کے نسخہ کی طرح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نسخے ظفر کے اہتمام سے لکھوائے گئے تھے۔ اسی طرح کا ایک نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں بھی تھا (نمبر ۳۹۳) جو غالباً بالکل انہیں نسخوں کی طرح تھا۔ ان کے علاوہ اور نسخے بھی ہوں گے جو یا تلف ہو گئے یا گمنامی کے گوشوں میں پڑے ہوئے ہیں ؎